انکشافِ حقیقت

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

www.insaaniat.org

786

انکشافِ حقیقت

جناب علی مرتضی علیہ السلام کا ایک خطبہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس خطبہ کے تراجم اور تفہیم میں طرح طرح کی غلطیاں کی جاتی رہی ہیں۔ اس غلط تفہیم سے گھبرا کر ہمارے چند رفقاء کار نے اس خطبہ کی وضاحت طلب کی تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ خطبہ کے صحیح مطالب عوام وخواص تک پہنچ جائیں تا کہ سابقہ غلط فہمیاں دور ہوسکیں اور اگر ہم غلط سمجھے ہیں تو دیگر اہل علم ہم پر ہماری غلطی کو واضح فرما سکیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل خطبہ کا متن نہایت غور سے پڑھئے۔

(1) لِلّٰہِ بَلَادُ فُلَانٍ ؛(2) فَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ ؛ (3) وَ دَاوَی الْعَمَدَ ؛(4) وَاَقَامَ السُّنَّۃَ ؛ (5) وَخَلَّفَ الْفِتْنَۃَ ؛ (6)ذَھَبَ نَقِیَّ الثَّوْبَ ؛ (7) قَلِیْلَ الْعَیْبَ ؛ (8) اَصَابَ خَیْرَھَا ؛ (9) وَسَبَقَ شَرَّھَا ؛ (10) اَدَّیٰ اِلَی اللّٰہِ طَاعَتَہٗ ؛ (11) وَاتَّقَاہُ بِحَقِّہٖ ؛(12) رَحَلَ وَتَرَکَھُمْ فِیْ طُرُقٍ مُّتَشَعِّبَۃٍ ؛(13) لَایَھْتَدِیْ فِیْھَا الضَّالُّ ؛ (14) وَلَایَسْتَیْقِنُ الْمُھْتَدِیْ ؛

جناب علی نقی صاحب طہرانی کا ترجمہ وتشریح دیکھئے۔

ترجمہ فارسی: ترجمہ سے پہلے فرماتے ہیں۔

ازسخنا نِ آنحضرت علیه السلام است (درباره عمر که ازدراهِ توریه فرموده یعنی درظا هر می نماید که اُو راستوده ،ولی باطناً تو بیخ و سزرنش نموده ،وازایں رواین سخن با آنچه در خطبه سوم فرموده منافات ندارد):

یہ خطبہ بھی آنحضرت علیہ السلام کے کلام میں سے ہے۔(یہ کلام عمر کے حق میں بطور توریہ فرمایا گیا ہے یعنی بظاہر یہ کلام عمر کی مدح معلوم ہوتا ہے لیکن باطنی طور پر اس کلام سے عمر کی مذمت اور سرزنش مقصود ہے اور اس حیثیت سے یہ کلام خطبہ نمبر 3 کے خلاف نہیں ہے“ (جلد 2 صفحہ 712)

(2) اب ترجمہ شروع ہوتا ہے۔

خدا شهر هائے فلاں (عمر بن خطاب)رابر کت دِهدونگا ه دارد که (باعتقاد گر و هے) کجی را راست نمود (گمراهان راهَ برَاه آورد) و بیماری را معالجه کرد (مردم شهر هائے رابدین اسلام گروانند) وسنت رابر پاداشت (احکام پغمبرؐ را اجرا نمود) وتباه کاری راپُشتِ سر انداخت (درزمانِ اُوفتنه ای رُوندا د) پاک جامه وکم عیب ازدنیا رفت (مانند عثمان خودرا بپلید یهانیالود)نیکوئیِ خلافت رادریافت واز شَرِّآن پیشی گرفت (تابُود امر خلافت منظم بُوده اختلالے درآن راه نه یافت) طاعت خدا را بجا آورده ، ازنافرمانئِ اُوپرهیز کرده حَقّش رادانمود (ولیکن)از دنیارفت درحالیکه مردم رادر راه هائے گُوناگُوں انداخت . بطورے که گمراه در آنهاراه نمی یابد. وراه یافته بریقین وباورنمی ماند ۔

(3) ایک مفتیانہ اردو ترجمہ بھی دیکھیں۔

(1) فلاں شخص کی کارکردگیوں کی جزا اللہ دے۔(2) انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا۔ (3) مرض کا چارہ کیا (4) سنت کو قائم کیا۔(5) فتنہ وفساد کو پیچھے چھوڑ گئے ۔(6) صاف ستھرے دامن اور(7) کم عیبوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے ۔(8) (دنیا کی) بھلائیوں کو پالیا ۔(9) اور اس کی شرانگیزیوں سے آگے بڑھ گئے ۔ (10) اللہ کی اطاعت بھی کی (11) اوراس کا پورا پورا خوف بھی کھایا۔(12) خود چلے گئے اور لوگوں کو ایسے متفرق راستوں میں چھوڑ گئے ۔(13) جن میں گم کردۂ راہ راستہ نہیں پاسکتا۔(15) اور ہدایت یافتہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔(نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ 294،خطبہ 225)

(4) یہ مندرجہ بالا ترجمہ جناب مفتی جعفر حسین صاحب کا ہے۔ جناب مفتی صاحب نے تمام علماء شیعہ کے خلاف یہ سمجھا ہے جناب علی علیہ السلام نے اس خطبہ میں ایک بزرگ صحابی کی مدح وثنا کی ہے۔دوسرے ان کے خیال میں اس خطبہ کا دوسرا لفظ ''بلاذ'' نہیں ہے۔ بلکہ ''دال'' کی جگہ ''ھمزہ'' تھا یعنی یہ لفظ ''بلاء'' ہے۔نہ کہ ''بلاذ''۔ہم

اس سلسلہ میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس خطبہ میں ہرگز ہرگز کسی شخص کی مدح وثنا نہیں کی گئی ہے بلکہ اس میں واضح طور پر مذمت کی گی ہے۔

(5) جس طرح قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا خودقرآن کریم کی آیات والفاظ سے ثابت ہوتا ہے بالکل اسی طرح نہج البلاغہ کا کلام مرتضوی ہونا خود نہج البلاغہ کے الفاظ اور جملوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔ جو زبان جناب علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں استعمال کی ہے وہ ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ کوئی انسان ایسا کلام نہیں کرسکتا۔ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے کسی راوی کی ضرورت ہے نہ کسی خارجی سہارے کی احتیاج۔ لہٰذا جن دلائل کو جناب مفتی صاحب نے اختیار کیا ہے وہ دلائل خودمحتاجِ دلیل ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جناب علی مرتضیٰ صلوٰۃ اللہ نے یہاں اُس شخص کا نام نہیں لیا ہے۔ اوراسی بنا پر ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اُن کی پیروی کرتے ہوئے اُس کا نام صیغہ راز میں رکھیں تاکہ متلاشی حق اپنی تلاش وتحقیق جاری رکھےاوراپنی ذاتی محنت وتحقیق سے اُس شخص کو پہچانے۔ چنانچہ اُس شخص کو جانتے پہچانتے ہوئے بھی ہم آپ کواُس کا نام نہیں بتائیں گے البتہ اس خطبہ کواس طرح آپ کے روبرورکھیں گے کہ آپ خود فیصلہ کرسکیں کہ یہ فلاں شخص کون تھا۔

(6) ساری دنیا جانتی ہے کہ جب کسی ایسے شخص کی مذمت کرنا مطلوب ہوتا ہے کہ جو مذمت کرنے والے کو نقصان پہنچا سکے تو پھر مذمت میں اُس کا نام نہیں لیا جاتا۔ ایسے مواقعہ بھی ہوتے ہیں کہ مذمت میں نام لینے سے لوگ اس شخص کو مطعون کریں گے اور بُرا بھلا کہیں گے ممکن ہے آپس میں جھگڑا ہو جائے یا چاروں طرف سے مذمت کا شورسن کروہ شخص ڈھیٹ ہو جائے اور آئندہ اصلاح کے بجائے گمراہ رہنا طے کرلے لہٰذا ضد سے محفوظ رکھنے کے لئے بعض دفعہ مذمت میں نام نہیں لیا جاتا۔ مذمت کے اس اسلوب کوقرآن کریم نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ۔

وَیَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡهِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا O یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا O (فرقان 28 تا 25/27)

اور جس دن ایک مخصوص ظالم اپنے ہاتھ چبا چبا کر کہے گا کہ اے کاش میں نے رسولؐ اللہ کا راستہ (اسلام۔صراط مستقیم) اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس اے کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا خلیل (دوست) نہ بنالیا ہوتا۔

ؔ(7) یہاں جس ظالم کا ذکر ہوا ہے۔اس کو متعین و مشخص کرنے کے لئے دوسری جگہ یوں فرمایا گیا کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ O وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ O (2/204-205)

مولانا رفیع الدین صاحب کا ترجمہ سنیئے:

''اور بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ خوش لگتی ہے تجھ کو بات اس کی بیچ زندگانی دنیا کے اور وہ گواہ کرتا ہے اللہ کو اوپر اس چیز کے کہ بیچ دل اس کے کے ہے اور وہ بہت جھگڑالو ہے اور جب حاکم ہوتا ہے کوشش کرتا ہے بیچ زمین کے کہ تو کہ فساد کرے بیچ اس کے اور ھلاک کرے کھیتی کو اور جانوروں کو۔۔۔۔

(8) قرآن کریم نے ایک خاص الخاص ظالم شخص کا تذکرہ فرمایا ہے اور اُس کا اور اُس کے خاص دوست یا شریک کار کا نام نہیں لیا ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں شخص ایک دوسرے کے پشت پناہ ہیں۔اور دونوں نے رسولؐ اللہ کے بالمقابل کوئی خاص تصورِ حیات یا مذہب اختیار کر رکھا ہے۔جو آنحضرتؐ کے دین سے جداگانہ ہے اور قیامت کے روز اس جداگانہ راستہ کے اختیار کرنے پر افسوس اور ہائے وائے کرنا پڑے گا دوسری آیت (2/204-205)۔میں بتایا کہ یہ کوئی ایسا شخص ہے جس کو اپنی قلبی کیفیات یا تصورحیات پر صحیح ہونے کا اس قدر یقین ہے کہ وہ خدا کو گواہ کر کے اپنے طریقہ کو برحق قرار دیتا ہے۔ چونکہ دونوں جگہ اُس کو کافر یا منافق قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس کے برعکس اس کی باتوں کو آنحضرتؐ کی پسندیدگی یا حیرانی حاصل ہے۔لہٰذا وہ باتیں کافرانہ نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام ہی کی مختلف تفہیم ہے۔جس پر اُس شخص کو اصرار ہے اور اپنی تفہیم اسلام میں وہ رسولؐ اللہ سے جھگڑنے کے لئے تیار رہتا ہے ساتھ ہی **فی الحیوۃ الدنیا** کہہ کر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ باتیں یا وہ طریقہ یا تفہیمِ اسلام دنیاوی زندگی میں دلچسپ یا حیران کن ہے۔یعنی اُس کی اسکیم کا دارومدار صرف دنیا کی عملی زندگی تک محدود ہے۔

اُس نے اس سلسلہ میں آخرت و عاقبت سے کوئی تعلق نہیں رکھا ہے۔ پھر یہ بتایا کہ جب وہ حاکم بنے گا تو اُس کی کوشش یہ ہوگی کہ تمام دنیا میں اُس کی اسکیم سے فساد وقتل وغارت پھیل جائے۔ دونوں آیات سے ثابت ہے کہ یہ شخص آنحضرتؐ کے رُوبرو رہنے والا اور اُن ہی کے زمانہ کا شخص ہے۔ ادھر رسوؐل اللہ سے بحث و مباحثہ کر سکنا، جھگڑا کر لینا بتاتا ہے کہ یہ شخص اچھی خاصی بڑی پوزیشن کا آدمی ہے۔ اُدھر اگلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اُس شخص کو اپنی عزت تقویٰ کے بالمقابل زیادہ عزیز ہے حتیٰ کہ وہ اپنے اعزز و اکرام کے بالمقابل جہنم کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس سے بھی اگلی آیت ملاحظہ ہو۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ (2/207) اور صحابہ میں سے ایک وہ بھی ہے جو اللہ کی رضامندیاں حاصل کرنے کیلئے اپنی جان و زندگی فروخت کر چکا ہے"۔

(9) علماء امت کا اجماع ہے کہ یہ آخر الذکر آیت جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ مذکورہ بالا شخص کی ذہنیت اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی فضیلت ساتھ ساتھ بیان کرنے سے بھی یہی ثابت ہوا کہ وہ شخص معمولی آدمی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ذہنیت حضرت علی علیہ السلام سے ٹکر لینے کی اہلیت کی حامل ہے۔ مذکورہ بالا خطبہ میں اُسی شخص کی ذہنیت اور اس کے منصوبہ سے تعارف کرایا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالمقابل ایک متوازی اسلام کا منصوبہ رکھتا تھا۔ اور بڑی کوششوں اور جدوجہد کے بعد آخر اُس نے اپنا منصوبہ پورا کر لیا۔ طرح طرح سے اس کی مرمت و مداوی کیا۔ اُسے اسلامی لباس پہنایا اور اپنی زندگی ہی میں یہ انتظام قائم کر گیا کہ یہ خود تراشیدہ نظام اسلام کی جگہ اُس کے بعد بھی جاری رہے۔ اُسی کو جناب علی علیہ السلام نے السُّنَّةَ اور الۡفِتۡنَةَ قرار دیا ہے اس کے اور اس کے قائم کردہ نظام کے گھڑے ہوئے قواعد وضوابط ہی کی بنا پر بعد والے لوگ حقیقت تک پہنچنے اور صحیح اسلامی اصولوں کا پتہ لگانے میں متردد اور پریشان رہے ہیں۔ اُس شخص کے پورے نظام کو جناب علی علیہ السلام نے نہایت احتیاط مگر واضح الفاظ میں اس طرح بیان فرما دیا ہے کہ اس تعارف کو سوائے اہل علم و سیاست کے دوسرے لوگ دوسری طرح سمجھیں۔ ورنہ اُس زمانہ کی فضا

کے مکدر رہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا۔ اور یہی سبب ہے کہ اس میں نام کو ظاہر نہ کیا بلکہ اُس شخص کی واضح اور مشہور صفات کو بیان کر دینا کافی ہوگیا۔ اور جب اہل علم نہج البلاغہ کے ساتھ قرآن کریم کو بھی سامنے رکھیں تو یہ شخص مع اپنے نام وحلیہ کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے لئے راہِ فرار باقی نہیں رہتی۔ اُس کی تمام اسکیمیں برھنہ ہو جاتی ہیں۔ تخریب اسلام کرنے والے چہروں سے نقابیں گر پڑتی ہیں۔

(10) آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم، احادیث، ونہج البلاغہ وغیرہ میں اعراب (زیروزبروپیش وشدومد) بعد میں لگائے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اعراب اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ہی لگائے جانا چاہیئے تھا۔ آپ نے دیکھ لیا ایک متفق علیہ لفظ ''البلاذ'' کو مفتی صاحب نے غلط قرار دے کر ''دال'' کی جگہ ''ھمزہ'' کو ہونا بتا دیا۔ اسی طرح کتبِ احادیث میں علمانے بہت سے مقامات پر لکھا ہے کہ یہاں یہ نہ تھا بلکہ وہ تھا اسی قاعدے کے مطابق ہم نے بھی اس خطبہ میں اڑھائی جگہ اختلاف کر کے زبر اور زیر اور سادہ کو مشدّد قرار دیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان تبدیلیوں کے بغیر ہمارا مطلوب ثابت نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں بلکہ صرف آپ کی علمی توجہ کا رخ پھیرنے اور لمحہ فکریہ پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہے ورنہ ہمارا مطلوب تو وہی ہے جو اس خطبہ میں استعمال شدہ الفاظ کے مصادر کا مطلوب ہے۔ ہمارا طریقہ معلوم ومشہور ہے ہم ہر ہر لفظ کی دلالتِ مطابقی یا مصدری معنی کو سب سے پہلا نمبر دیتے ہیں۔ اس کے بعد قرآن کے تقاضا پر دوسرے معنی کا نمبر آتا ہے۔ چنانچہ ہمارے طریقہ سے ترجموں کی بڑی سے بڑی الجھنیں حل ہو جاتی ہیں۔ یہی طریقہ ہم اس خطبہ کے ترجمہ میں بھی اختیار کریں گے۔ آپ پہلے ہمارا ترجمہ دیکھ لیں۔ اس کے بعد ہم یہ بتائیں گے کہ ہم نے یہ ترجمہ کیوں کیا؟ ہمیں یقین کامل ہے کہ آپ کو ہماری سادہ سی راہنمائی سے آپ کا علم مطمئن کر دے گا۔

(11) ہم اس خطبہ سے کیا سمجھے۔ یا یہ کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا منشا کیا تھا۔ ترجمہ میں واضح ہے۔

1۔ فلاں شخص کی حماقتیں اللہ کے (فیصلہ کے) لئے ہیں۔

2۔یقیناً اُس نے (صراط مستقیم کو) ٹیڑھا کرنے کا نظام قائم کیا۔اور وہ

3۔ایک مخصوص منصوبے کا مداوا کرتا رہا۔اور اُس نے

4۔ایک خاص سنت (مذہب۔طریقہ۔قانون) کو جاری کیا۔یا اُس نے دو دھاری برچھیاں یا کلہاڑیاں (سِـنَّة) قائم کیں۔اور

5۔اُس نے ایک خاص فتنہ کو اپنا جانشین یا خلیفہ بنایا

6،7۔ذرا سے تقدس اور سفید پوشی کے ساتھ ملمع سازی کرتا رہا۔

8۔اپنے منصوبہ کی اچھائیوں سے نفع اندوزی کی اور

9۔اُس کی شر انگیزیوں میں سب پر سبقت لے گیا۔

10۔اللہ کی اطاعت کو اللہ کی طرف سے واپس ھانک دیا۔اور

11۔حقوق اللہ سے اجتناب کرتا رہا۔

12۔خود جدا ہو گیا اور لوگوں کو منتشر راھوں میں بھٹکنے کی لئے چھوڑ گیا کہ

13۔جہاں گمراہ کو ہدایت نہیں ملتی۔اور

14۔صحیح راہ پر چلنے والے کو ہدایت یافتگی کا یقین حاصل نہیں ہوتا۔

(12) تشریحات وتوجیہات۔

(الف) خطبہ کا پہلا جملہ ''لِلّٰهِ بَلَادُ فُلَانٍ'' ہے۔

اس جملہ کے مفتیانہ معنیٰ ''فلاں شخص کی کارکردگیوں کی جزا اللہ دے'' بتائے گئے ہیں۔

آپ ان معنی کے لئے اس جملہ میں عربی کے الفاظ تلاش کیجئے۔جن سے۔1۔''کارکردگیوں'' اور۔2۔''جزا دے'' کے معنی نکلتے ہوں۔وہاں کل تین عدد الفاظ ہیں۔اول: لِلّٰهِ ۔دوم: بَلَادُ۔سوم: فُلَانٍ ۔اُن میں سے نہ کوئی

لفظ کارکردگی کے معنی دیتا ہے۔نہ کسی میں جزا کی گنجائش ہے۔اور جزا تو خود عربی زبان کا لفظ ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے ہر لفظ کے مصدری معنی کو پہلا نمبر دینا چاہئے۔اس اصول کے مطابق آپ حیران ہوں گے کہ یہاں مترجم نے الفاظ کا اوران کے مصدروں کا ذرہ برابر خیال نہیں کیا ہے اور کسی الہامی یا دوسرے غیر انسانی ذریعہ سے ترجمہ کردیا ہے یا جو تصورات ان کے اپنے ذہن میں تھے وہ ترجمہ کی جگہ لکھ دیئے ہیں۔ان تینوں الفاظ میں فُـلان کے معنی آپ جانتے ہیں لہٰذا اس پر کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں باقی دولفظوں کے لئے آپ کو چند چیزیں بتانا ہیں۔پہلی یہ کہ آپ سورہ منافقون کے ساتویں آیت ملاحظہ فرمائیں۔اللہ نے فرمایا ہے کہ:

لِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (63/7)

واسطے اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں اورزمین کے(رفیع الدین)

سارے آسمان اورزمین کے خزانے خداہی کے پاس ہیں(فرمان علی)

پھر اگلی آیت میں فرمایا کہ: لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُئوْ مِنِیْنَ (63/8)

عزت تو خاص خدا اوراس کے رسوؐل اور مومنین کے لئے ہے(فرمان علی)

واسطے اللہ کے ہے عزت اور واسطے رسوؐل اس کے اور واسطے ایمان والوں کے(رفیع الدین)

ان دونوں آیتوں سے واضح ہوگیا کہ ''لِـلّٰـہِ'' کے معنی ہیں ''اللہ کے واسطے'' یا ''اللہ کے لئے'' دوسری آیت (حرف جارہ) تین دفعہ آیا ہے۔ پہلے اللہ کے ساتھ پھر رسوؐل کے ساتھ پھر مومنین کے ساتھ اور تینوں جگہ اس کے ہی معنی ہیں ''واسطے'' یا ''لئے'' عربی کے ابتدائی طالب علم بھی اس ''لام'' کے معنی جانتے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا لفظ ''بَلَادُ'' ہے۔لیکن ایک مترجم نے ترجمہ میں اس کو ''بَلَادُ'' کے بجائے ''بِلَاءٗ'' لکھ دیا ہے۔ یعنی اُن حضرت نے یہ خیال کیا ہے کہ یہاں ''ھمزہ'' کو باقی لوگوں نے (جن میں ہزارہا علماء شیعہ واہلسنت اور خود جناب مولف نہج البلاغہ حضرت رضی صاحب رضی اللہ عنہ شامل ہیں) غلطی سے ''دال'' سمجھا تھا۔ہم مانے لیتے ہیں

کہ جناب مفتی صاحب قبلہ ان تمام علماء سے بہتر اور صحیح سمجھے اور یہ کہ واقعی جملہ یوں ہے کہ:

وَلِلّٰہِ بِلَاءُ فُلانٍ ۔مگراس کو کیا کریں بِلَاءُ کے معنی بھی جناب علی مرتضی علیہ السلام کے مفہوم کے خلاف نہیں جاتے ہیں۔ بلکہ ان کے مطلب کو اور مضبوط کرتے ہیں۔ چنانچہ بِلَاءُ کے معنی عربی لغت (ڈکشنری) سے ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ بَالَی مُبَالَاۃً، 2۔ بِلَاءً ، 3۔ بَالَۃً ، 4 ۔ بَالًا .

ان چاروں مصدروں کے معنی آپ کو ہر لغت میں اس طرح اور ہر ایک جگہ ملیں گے۔1۔ پرواہ کرنا۔2۔توجہ کرنا۔ 3۔فکر کرنا،4۔چوکس رہنا۔اور انگریزی میں،

1.To pay attention to , 2 .To take care of ,3 .To be anxious about

4. To vie in splendour air with one another, 5. To contradict

اگر لغات اور ڈکشنریاں یہی کچھ کہتی ہیں تو پھر لِلّٰہِ بَلَاءُ فُلَانٍ کے معنی حسب ذیل ماننا پڑیں گے۔

(ب) لِلّٰہِ بِلَاءُ فُلَانٍ (کے معنی)

1۔فلاں شخص کی طرف توجہ دینا اللہ کے لئے ہے۔

2۔فلاں شخص سے چوکس رہنا اللہ کے لئے۔

3۔فلاں شخص کے متعلق تشویش رکھنا اللہ کے لئے ہے۔

4۔فلاں شخص کی تردید کرنا اللہ کے لئے۔

5۔فلاں شخص کی فکر کرنا اللہ کا کام ہے۔

6۔فلاں شخص سے خوبیوں میں مقابلہ کرنا اللہ کے لئے ہے۔

(ج) یہ تمام جملے ہمارے ترجمہ کی تائید کرتے ہیں۔لہٰذا ابلاد کی جگہ بلاء لکھنے سے مذمت میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوا ہے۔جس کی تردید و نگرانی کرنا خدا کے حوالہ کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ مذکورہ آیات کا وہی ظالم شخص ہوسکتا ہے

جو رسولؐ اللہ کے بالمقابل ایک دوسرے شخص کی پشت پناہی سے ایک ایسی راہ ایک ایسا مذہب ایجاد کرتا ہے جو اسلامی لباس سے آراستہ ہو اور سراسر اسلام کے خلاف ہو۔

(د) یہاں تک یہ ثابت ہوگیا کہ لِلّٰہِ بَلَاءُ فُلَانٍ یالِلّٰہِ بِلَادُ فُلَانٍ کے معنی کسی طرح بھی یہ نہیں کئے جاسکتے کہ ''فلاں شخص کی کارکردگیوں کی جزا اللہ دے'' لہٰذا معلوم ہوا کہ لِلّٰہِ بِلَادُ فُلَانٍ کے تمام تراجم غلط کئے گئے ہیں۔اب ہم بتاتے ہیں کہ ہم نے بَلَادُ کی بے پر زبر کیوں دیا ہے۔بات یہ ہے کہ قدیم وجدید عربی میں ایسی آبادی کو جہاں تمدن کے لئے تمام ضروری وسائل موجود ہوں مدینہ کہا جاتا ہے۔جہاں قطعی تمدن کے آثار و وسائل نہ ہوں اُن آبادیوں کو دیہات کی جگہ بَلد کہتے ہیں جس کی جمع بلاد ہے۔اور خطبہ کے مذکورہ پہلے جملے میں بلاد کو اسی بنا پر بے کی زیر کے ساتھ سمجھا گیا ہے۔مگر یاد رکھو کہ ''سمجھا گیا ہے''۔منشاء مرتضویؑ یہ نہیں ہے بلکہ آپ نے بَلاَد فرمایا ہے۔تاکہ مخاطب کو توریہ کی زد سے بچنے کے لئے عقلمند ہونا ضروری ہو جائے۔اس لئے اسلوب و رموز کلام سے ناواقف یعنی عوام یہاں پر خود بخود بِلاَد سمجھ کر مطمئن ہو جائیں گے۔مگر اہل علم جانتے ہیں کہ یہاں لفظ بِلاَد کا استعمال سراسر غلط اور مہمل ہے۔متمدن اور غیر متمدن آبادیوں کے درمیان کی آبادیاں قریہ کہلاتی ہیں۔شہر مکہ خود ایک زمانہ میں بلد تھا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے عہد میں ایک بے آب و گیاہ بیابانی مقام تھا۔ رفتہ رفتہ قریہ بنا پھر مدینہ ہوا اور ایک دن مصر بن گیا۔مصر عربی میں دارالخلافہ یا پایہ تخت کو کہتے ہیں۔

(ہ) اس کے بعد یہ سمجھ لیں کہ اصل مادہ ''ب۔ل۔د'' ہے

اس مادہ سے اصلی مصادر ہیں بَلَدًا۔اور بَلَادَۃً۔اور ان کے معنی ہیں۔کند ذہن ہونا۔(To be dull) کم سمجھ ہونا بے وقوف ہونا (To be foolish) سست ہونا (To be lazy) ماضی مضارع اور مصدر اس طرح ملیں گے بَلَدَ و بَلُدَ دونوں ماضی ہیں۔وہ مذکر غیر متمدن علاقہ میں قیام پذیر ہوا یا اُس مذکر نے حماقت کی۔ان دونوں کا مضارع ہے۔یَبْلُدُ وہ مذکر حماقت کریگا یا دیہات میں آباد ہوگا۔یا حماقت کرتا ہے۔یا دیہات میں آباد ہوتا ہے۔

(و) اب آپ نے سمجھ لیا کہ جنگل کے رہنے والے غیر متمدن لوگ سیدھے سادے اور بے سمجھ اور بے وقوف ہوتے ہیں۔اور جنگل و بیابان کا تقاضا بھی یہی ہے۔اس بنا پر عربی میں ایسے لوگوں کی آبادی کو بلد کہتے ہیں۔ بلدی علاقوں میں کھیتی باڑی اور زراعت ہوتی ہے۔شہروں میں کھیتی نہیں ہوسکتی۔ ہنگامہ ہوتا ہے۔ چنانچہ **لِلّٰہِ بَلَادُ فُلان** فلاں شخص کے دیہات اللہ کے لئے ہیں۔ کہنا ہی غلط ہے۔اس لئے کہ کیا فلاں شخص کے قصبے اور شہر اور مصر نہ تھے؟ پھر اللہ کی تو ہر چیز ہے ہی۔ یہ شخص اگر لاوارث بھی مرتا تب بھی اس کے گاؤں حکومت وقت یا قوم کے ہاتھ آتے **لِلّٰہِ بَلَادُ فُلان** کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ چنانچہ صرف یہی معنی صحیح ہیں اور مصدر و قرینہ اور ترکیب کلام کا تقاضا ہے۔اس لئے کہ جو شخص اپنی ذاتی بصیرت پر بھروسہ کر کے خدا کے رسوؐل کے خلاف ایک ایسی راہ اختیار کرے جو جہنم میں لے جائے اور خدا کو گواہ کر کے کہے کہ یہی حقیقی اسلام ہے۔اور خود رسوؐل اللہ کے پیش کردہ اسلام میں ترمیمات کرے اور اس سب کے باوجود خود کو صحیح قسم کا مسلمان بھی سمجھے وہ واقعی احمق (مَبْلُودُ) یا (اَبْلَدُ) ہے۔اسی کے لئے فرمایا گیا ہے **لِلّٰہِ بَلَادُ فُلان** فلاں شخص کی حماقتیں خدا کے حوالہ وہی اس سے سمجھے گا۔

(ز) اس کے بعد دوسرے، تیسرے اور چوتھے جملوں کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔

''انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا۔3۔مرض کا چارہ کیا اور، 4۔سنت کو قائم کیا۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ ترجمہ بالکل صحیح ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے معاذ اللہ یہ مطلب پیش کیا ہے۔تو (معاذ اللہ) یہ ایک مہمل خطبہ بن جاتا ہے اور اس میں دو متضاد بیان پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ بات یقیناً امامؑ کے کلام میں ناممکن ہے۔ چنانچہ اس ترجمہ و مفہوم کے مطابق بات یہ ہوئی کہ اس خطبہ میں مذکورہ شخص کے زمانہ میں ایک وقت وہ تھا کہ ''خلاف سنت باتیں عام تھیں ہر چیز ٹیڑھی ہو چکی تھی بے دینی کا مرض زوروں پر تھا اُس شخص نے ہر ٹیڑھی چیز کو سیدھا کر دیا ہر گنجلک کو دور کر دیا سنت نبوؐیہ کو قائم کیا اور بے دینی کو دنیا سے اٹھا دیا'' اگر واقعی یہ شخص یہ سب کچھ کر چکا تھا تو حضرت علی علیہ السلام کا یہ بیان کہ:

(ح) رَحَلَ وَتَرَکَھُمْ فِیْ طُرُقٍ مُّتَشَعِّبَۃٍ ؛ لَایَھْتَدِیْ فِیْھَا الضَّالُّ ؛ وَلَایَسْتَیْقِنُ الْمُھْتَدِیْ ؛ سراسر غلط ومتضاد ہو جاتا ہے۔اس لئے اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ:

خود چلے گئے اور لوگوں کو ایسے متفرق راستوں میں چھوڑ گئے جن میں گم کردۂ راہ راستہ نہیں پاسکتا اور ہدایت یافتہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا''۔

(ط) یہ تین جملے بتاتے ہیں کہ وہ شخص لوگوں کو ایسی بدترین حالت میں چھوڑ کر چلا گیا ہے جبکہ صراط مستقیم کا پالینا یا صراط مستقیم پر ہونے کا یقین حاصل کر لینا باوجود کوشش کے ناممکن ہو چکا تھا اور لوگ گمراہی وضلالت میں مبتلا تھے اور مبتلا رہتے چلے جائیں گے۔حالانکہ وہ شخص سنت رسوؐل کو قائم کر کے ہر ٹیڑھی چیز کو سیدھا کرنے والا بھی ہے۔ اور تمام بے دینی کے امراض کو ختم کر دینے والا بھی اسی کو کہا گیا ہے۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(ی) یہ آخری تینوں جملے دراصل اس شخص کو ماخوذ کرتے ہیں۔اُسے مجرم ثابت کرتے ہیں۔یہاں غور طلب یہ ہے کہ تَرَکَھُمْ فِیْ طُرُقٍ مُّتَشَعِّبَۃٍ ''وہ چھوڑ گیا'' اس شخص کا فعل ہے۔اس نے لوگوں کو ایسی منتشر ومتفرق راہوں میں چھوڑنے کا جرم کیا ہے۔یہی تین جملے دراصل اس خطبہ کی کلید ہیں۔ہمیں بڑا تعجب ہے اُن لوگوں پر جنہوں نے ان تین واضح جملوں کے بعد بھی اس خطبہ کو منقبت سمجھا ہے۔یہاں تو اس شخص کو ایک خاص سنت کا قائم کرنے والا بتایا گیا ہے۔اَلسُّـــنَّۃ سے سنت نبویہ مراد لینا حماقت ہے۔اس لئے کہ اگر اس نے سنت نبویہ قائم کر دی ہوتی تو اس کے زمانہ میں بھی اور اس کے بعد بھی لوگ سنت رسوؐل پر چلتے ہوئے پائے جاتے۔معلوم ہوا کہ وہ سنت دراصل اس کی اپنی سنت یا اسکیم تھی جس کو الـعـمـد فرما کر واضح کیا ہے۔ایک خاص ارادہ ایک خاص منصوبہ۔زندگی بھر یہ شخص اس اسکیم کی یا سنت کی مرمت کرتا رہا اور مرنے کے بعد اُس سنت یا منصوبہ کو بطورِ خلیفہ وجانشین چھوڑ گیا ہے جسے الـفـتـنـہ کہنا قطعی صحیح ہے اسی منصوبہ کے پھل پھول تھے طـرق متشعّبہ۔منتشر راہیں یا افتراق وانتشار بین الامت۔حق وباطل کا بدترین وکہنہ مشق امتزاج۔اُن جملوں کا تقاضا ہے کہ ہم جملہ نمبر 2 کا ترجمہ یوں کریں کہ اُس

نے تمام قسم کی کجیوں خرابیوں اور سیاسی ہتھکنڈوں کو منظّم صورت میں قائم کردیا۔ کیونکہ جس مادہ سے یہ لفظ قوّم نکلتا ہے وہ ہے ق۔و۔م۔اس مادہ سے قَامَ (وہ کھڑا ہوا) ماضی مذکر غائب بنتا ہے۔اور یَقُوّمُ اس کا مضارع ہے۔ (یعنی وہ مذکر کھڑا ہوتا ہے یا کھڑا ہوگا) اور مصدر ہے قَوْمًا اور قَوْمَۃً اور قِیَامًا اور قَامَۃً۔ان سب کے معنی ہیں کھڑا ہونا یا اٹھنا (To rise)(To standup) اس بنیادی مصدر سے دوسرے درجہ کا مصدر تَقْوِیْم ہے۔ جس سے ماضی مذکر غائب قَوَّمَ بنتا ہے۔اس کے معنی ہر لغت میں ''قائم کرنا (To errect)(To setup) انتظام کرنا'' پہلے نمبر پر ملیں گے۔اسی سلسلہ کا لفظ ہے۔جو مندرجہ ذیل آیت میں استعمال ہوا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِسَاءِ (4/34)

مرد قائم رہنے والے ہیں یعنی حاکم ہیں اوپر عورتوں کے'' (رفیع الدین)

اور مردوں کا عورتوں پر قابو ہے (فرمان علی)

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا کہ یآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بالْقِسْطِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ہو جاؤ تم قائم رہنے والے ساتھ انصاف کے (رفیع الدین) (4/135)

اے ایمان والو مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو (4/135) (فرمان علی)

(ک) یہ واضح رہے کہ ہم صرف آپ کے اطمینان کے لئے مولانا رفیع الدین یا فرمان علی صاحب کے ترجموں کا حوالہ دیتے ہیں۔اس سے ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ دیکھو یہ سنی اور شیعہ مترجم بھی اس لفظ کے یہی معنی کرتے ہیں۔اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم ان دونوں کے پورے ترجمہ سے یا ہر ہر لفظ کے ترجمہ سے متفق ہیں۔ایسا نہیں ہے۔آخر یہ بھی سنی اور شیعہ ہیں۔دونوں کو اپنی اپنی قوم کا تحفظ منظور ہے۔حالانکہ آخر الذکر آیت یعنی 4/134 میں حکم ہوا ہے کہ قوم ہو یا ماں باپ یا خود آپ کا معاملہ ہو یا آپ کی اولاد کا انصاف وعدل کو ہر حال میں پہلا نمبر دینا لازم ہے۔اس حکم کی رو سے ہم پر لازم ہے کہ ہم ترجمہ کرتے ہوئے اس کی فکر نہ کریں کہ یہ ترجمہ کس

کے خلاف ہے اور کس کی موافقت میں ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے ہمیں اُسی قدر اور وہی کچھ کہنا لازم ہے۔ چنانچہ ہمارا ترجمہ تعصب مذہبی یا قومی سے بلند تر ہونا چاہیئے۔

(ل) مذکورہ بالا دونوں آیات سے بھی ثابت ہوگیا کہ قَوَّمَ کے معنی مضبوط و منظّم طور پر قائم کرنے کے ہیں۔لہٰذا قَوَّمَ اُلاَ وَدَ میں اب دوسرے لفظ کی باری ہے۔ چنانچہ اس لفظ کے معنی ہرڈ کشنری میں حسب ذیل ہیں۔اَ لاَوَدَ ۔ 1۔کام کرگراں بار کردینا یا مشکل بنا دینا2۔۔مغلوب کرنا۔3۔کج کرنا یا ٹیڑھا کرنا۔4۔موڑنا۔5۔واپس کرنا یا واپس ہونا۔6۔ جھکانا خمیدہ کرنا۔7۔کسی کو رنج و مصیبت میں ڈالنا۔اَلْــمُــؤُوْدُ جس پر بوجھ ڈالا جائے جس کو ٹیڑھا کیا جائے۔جس کو تکلیف یا رنج و مصیبت میں مبتلا کیا جائے جس کو واپس کیا جائے جس کو مغلوب کیا جائے۔

(م) قَــوَّمَ اُلاَ وَدَ میں اَلْــمُــؤُوْدُ اسلام اور سربراہِ اسلام ہے۔جسے مغلوب کرنے یا مصیبت و رنج میں مبتلا کرنے یا جسے کفر کی طرف واپس کرنے۔یا خمیدہ کرنے۔ جھکانے۔موڑنے۔ٹیڑھا کرنے کا منظّم و مضبوط قیام عمل میں لایا جانا بتایا گیا ہے۔اس خبیث و خطرناک ترین ارادہ یا منصوبہ کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ اَلْعَمد لایا گیا۔ چونکہ یہ مہلک منصوبہ ایک دم قابل قبول نہ تھا اس لئے اس بے دینی کو دین کا رنگ دینے میں بڑی سوجھ بوجھ اور فکر کی ضرورت تھی۔لہٰذا اُس شخص نے کفر کے تمام نمائندگان کی مجموعی بصیرت و تجربہ سے کمک حاصل کی اور تخریب اسلام پر خفیہ عمل درآمد شروع کیا۔ ہر ہر مسئلہ میں رنگ آمیزی کی۔نہایت سادگی اور پرکاری کے ساتھ قومی معیار پر یہ نیا اسلام نما کفر پھیلانے کی جدوجہد کا قیام کیا۔اس سب کوشش اور کارروائی کو مداوا کہنا گویا ایک بہترین ترجمانی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ:

وَ دَاوَی الْعَمَدَ اُس نے اپنے منصوبہ کا مداوا کیا۔اسی منصوبہ کے قیام کو وَاَقَامَ السُّنَّۃَ (اور اُس نے ایک خاص طریقہ یا مذہب جاری کیا) اگر ہم اَلسِّــــنَّۃَ پڑھیں تو اس کے معنی ہوں گے کہ اُس نے دودھاری (سنانیں) برچھیاں یا کلہاڑیاں قائم کیں۔ چنانچہ اپنے خلاف آواز اٹھانے والے کے لئے تلوار و تیر وسنان ، نیزہ و تبر و کر

زور زہر کے استعمال کا ایک مسلسل انتظام قائم کر گیا۔ اور صدیوں تک تیر چلتے رہے۔ کہاں کہاں لگے؟ یہ بات شروع نہ کریں گے ورنہ آنسو مضمون کا رخ بدل دیں گے۔ تلواریں کاٹتی رہیں۔ برچھیاں سینوں میں اترتی رہیں۔ الغرض ایک دن آیا کہ، کہا گیا اے بدر واحد کے مقبول بزرگو، میں نے تمہارا انتقام لے لیا ہے۔ ظلم و جبر و قہر جب ایک انتہا کو پہنچ گیا تو نظامِ قدرت نے اُن ہاتھوں سے تلواریں چھین لیں۔ اُن سے انتقام لیا۔ لیکن لا اکراہ فی الدین کے اصول پر ان کا قلم نہ چھینا گیا۔ ان کی زبان بندی نہ کی گئی۔ جب اس منصوبہ کے ہتھیار چھن گئے تو اُس نے زرو جواہر سے لوگوں کی زبانیں اور قلم اپنی تائید کے لئے خریدنا شروع کئے۔ جب موقعہ ملا اسلحہ استعمال کئے یہ حال آج تک جاری ہے۔ اہل دل و اہل نظر اُسے واضح طور پر برسر کار دیکھ رہے ہیں۔ جو کچھ یہاں تک لکھا گیا اُسے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی زبان سے سُن لیں تو آگے بڑھیں۔

(ن) وَطَالَ الْاَمَدُ بِهِمْ لِيَسْتَكْمِلُوا الْخِزْيَ وَيَسْتَوْجِبُوا الْغِيَرَ ؛ حَتّٰى اِذَا اَخْلَوْلَقَ الْاَجَلُ وَاسْتَرَاحَ قَوْمٌ اِلَى الْفِتَنِ ؛ وَاشْتَالُوْا عَنْ لِقَاحِ حَرْبِهِمْ ؛لَمْ يَمُنُّوْا عَلَى اللّٰهِ بِالصَّبْرِ ؛وَلَمْ يَسْتَعْظِمُوْا بَذْلَ اَنْفُسِهِمْ فِى الْحَقِّ؛ حَتّٰى اِذَا وَافَقَ وَارِدُ الْقَضَآءِ انْقِطَاعَ مُدَّةِ الْبَلَآءِ ؛حَمَلُوْا بَصَائِرَ هُمْ عَلٰى اَسْيَافِهِمْ وِ دَانُوْا لِرَبِّهِمْ بِاَمْرِ وَاعِظِهِمْ ؛حَتّٰى اِذَا قَبَضَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ ؛ رَجَعَ قَوْمٌ عَلَى الْاَعْقَابِ وَغَالَتْهُمُ السُّبُلُ ؛وَاتَّكَلُوْا عَلَى الْوَلَائِجِ ؛وَصَلُوْا غَيْرَ الرَّحِمِ ؛ وَهَجَرُوْا السَّبَبَ الَّذِیْ اُمِرُوْا بِمَوَدَّتِهٖ ؛وَنَقَلُوْا الْبِنَآءَ عَنْ رَّصِّ اَسَاسِهٖ فَبَنَوْهُ فِى غَيْرِ مَوْضِعِهٖ ؛ مَعَادِنُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ وَاَبْوَابُ كُلِّ ضَارِبٍ فِیْ غَمْرَتِهٖ ؛ قَدْ مَارُوْا فِى الْحَيْرَةِ وَذَهَلُوْا فِى السَّكْرَةِ عَلٰى سُنَّةٍ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ مِنْ مُّنْقَطِعٍ اِلَى الدُّنْيَا رَاكِنٍ ؛ اَوْمُفَارِقٍ لِلدِّيْنِ مُبَايِنٍ ؛

(خطبہ نمبر 150 علی نقی الطہر انی رح)(خطبہ نمبر 148 مفتی جعفر حسین صاحب)

(ع) اس خطبہ میں آپؑ نے آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو کچھ ہوا اور سرکار رسالتمابؐ کے انتقال کے بعد قوم نے جو کچھ کیا اس کا خلاصہ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ’’کفار عرب کی غلط روش کا زمانہ بڑھتا چلا گیا۔ تاکہ وہ اپنی رسوائی کو

مکمل کرلیں اور اپنے لئے سختیوں کا حق پیدا کرلیں۔ جیسے ہی یہ زمانہ ختم ہونے کے نزدیک پہنچا تو قوم نے فتنہ وفساد کو اوڑھنا اور بچھونا بنالیا۔ اور چاروں طرف جنگ وجدل کی تخم پاشی کردی۔ اس حالت میں (معاونین اسلام) صبر کرنے کو اللہ پر احسان نہ کہتے تھے اور نہ ہی حمایتِ حق میں فداکاریوں کو بڑا کام سمجھتے تھے۔ آخر کار وہ وقت آ گیا کہ فیصلۂ خداوندی نے اہل اسلام کی آزمائش کے دور کو ختم کردیا۔ پھر انہوں نے تلواروں کے ذریعہ اپنی بصیرت کو ثابت کیا اور اپنے راہنماؑ کے حکم کے مطابق اطاعت خدا کی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو اللہ نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس کے بعد قوم کفر کی طرف رجوع کرگئی۔ انہیں ان کی ایجاد کی ہوئی غلط راہوں نے تباہ کر دیا۔ یعنی انہوں نے خودساختہ عقائد پر توکل کرلیا۔ اور جنہیں اپنا نا تھا ان کے اغیار کو اختیار کرلیا۔ اور اُس وسیلہؑ (ہدایت) کو چھوڑ دیا جس کی مودّۃ اور جس سے وابستگی واجب کی گئی تھی۔ اور دین کی بنیاد کو اکھیڑ کر غلط مقام پر نصب کردیا۔ یہی اولین لوگ تمام گمراہیوں کے مخزن ہیں۔ یہی تو وہ دروازہ ہے جو گمراہ ہونے والوں کی راہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ گمراہی کی حیرانگی میں مبتلا ہوگئے۔ فرعون اور اس کی آل کی سنت کے نشہ میں مدہوش ہوگئے۔ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا۔ اور دین سے منہ موڑلیا''

(ع) آپ نے دیکھا کہ وہ سنت جو زیر بحث شخص نے قائم کی تھی وہ سنت فرعون تھی۔ (سنت فرعون ونمرود کی تفصیل ہماری کتاب ''مواخذہ'' میں ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے) وہی سنت یا منصوبہ تھا جس کی وجہ سے یہ شخص اور اس کے ساتھی قیامت تک کی تمام گمراہی کے ذمہ دار اور بنیاد بن گئے۔ انہوں نے دین کو سراسر تبدیل کردیا، دین کی بنیادیں اکھیڑ دیں۔

(ف) ایک اور مقام دیکھئے جہاں آپ اس قوم کا نام بتاتے ہیں جو سنت فرعون سے دلچسپی رکھتی تھی اور ان کی اصل غرض واضح کرتے ہیں۔ فرمایا کہ:

فَـدَعْ عَـنْـكَ قُرَيْشًا وَّتَرْكَاضَهُمْ فِي الضَّلَالِ وَتَجْوَالَهُمْ فِي الشِّقَاقِ وَجِمَاحَهُمْ فِي التِّيهِ؛فَاِنَّهُمْ

قَدُ اَجْـمَـعُـوْا عَـلٰـى حَـرْبِـى كَـاِجْمَاعِهِمْ عَلٰى حَرْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه و آلہٖ) قَبْلِیْ فَحَزَتْ قُرَيْشًا عَنِّى الْجَوَازِى ،فَقَدْ قَطَعُوْا رَحِمِى وسَلَبُوْنِىْ سُلْطَانَ ابْنَ اُمِّى.

(ص) تم قریش کی گمراہ کن جولانیوں اور بے راہ روی کی ہنگامہ خیزیوں کا تذکرہ دفع کردو۔ یقیناً انہوں نے مجھ سے جنگ وجدل کے لئے اجماع کرلیا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے رسوؐل اللہ سے جنگ کیلئے اجماع کیا تھا۔ میرے معاملہ میں بھی انکو بدلہ ملے گا۔ انہوں نے مجھ سے ترک تعلق کرلیا ہے۔ اور میرے ماں جائے (رسوؐل اللہ) کی حکومت کو مجھ سے سلب کرلیا ہے''

(ق) یہ تھی وہ قوم اور یہ تھا مذکورہ منصوبہ کا مقصد اعلیٰ۔ اس مقصد کو نہ صرف حاصل کرنا مقصود تھا بلکہ دینی حکومت ہمیشہ کے لئے علی مرتضیٰ اور صحیح حقداروں سے علیحدہ رکھنا منظور تھا۔ اسی کے لئے اُس شخص نے یہ انتظام کیا تھا کہ سربراہی اسلام خود ایک فتنہ بن کر رہ جائے تاکہ اہلبیتؑ اس فتنہ سے خود کو الگ رکھیں۔ لہٰذا فرمایا کہ خَـلَّفَ الفتنة اُس شخص نے اپنے بعد کے لئے الفتنة کو اپنا خلیفہ بنایا۔ خَلَّفَ کے معنی سوچ سمجھ کر انتظام واستحکام کے ساتھ کسی کو جانشین بنانا ہیں۔ جسے عربی میں خلیفہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے فتنہ وفساد کو اس طرح خلیفہ بنایا کہ اُس پر حرف نہ آسکے اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے نظر نہ آئیں۔ بلکہ یہ خون دوسروں کی طرف منسوب کیا جائے۔ اس کو ظاہر فرمانے کیلئے یہ جملہ ہے کہ ذهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبَ قَلِيْلَ الْعَيْبَ ذرا سے عیب کو نظرانداز کردو تو وہ گویا صاف لباس سے گیا ہے۔ یعنی عوام کی نظر میں اس کا دامن داغدار تو ہے مگر بالکل رنگین نہیں تھا۔ ایسے شخص کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ اطاعت خدا میں مصروف رہا اور اس نے حقوق اللہ کی ادائیگی میں تقویٰ اختیار کیا۔ بڑی ہی ناسمجھی کی باتیں ہیں۔

والسلام۔